بلٹ پروف سوٹ

تحریر: سہیل احمد لون

ملکی تاریخ میں پہلی بار کسی جمہوری حکومت نے اپنی آئینی مدت پوری کی۔جمہوریت کی گاڑی کو جمہوری جنکشن تک لانے میں حکومت میں شامل تمام جماعتوں کے علاوہ حزب اختلاف کی جماعتوں کا بھی برابر کا حصہ ہے۔تمام سیاسی جماعتوں کی ہم آہنگی دیکھ کر کسی آمر نے اس گاڑی کو پٹری سے اتارنے کے لیے کسی بھی موقع پر کانٹا تبدیل کرنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔ورنہ قیام پاکستان سے جمہوری حکومتوں کو بوٹوں تلے ایسے روندا جاتا رہا کہ گیارہ گیارہ برس جمہوریت دوبارہ سر اٹھانے کے قابل نہ ہوئی۔سائنس اور سیاست میں بنیادی فرق یہ ہے کہ سائنس میں پہلے تحقیق اور تجربات کیے جاتے ہیں جس کے بعد کوئی تھیوری پیش کی جاتی ہے یا کوئی نئی چیز دریافت ہوتی ہے۔مگر سیاست میں دریافت پہلے کیا جاتا ہے پھر تھیوری پیش کی جاتی ہے اور عوام پر مختلف تجربات کر کے اپنا دور پورا کر کے عوام کو تجربات کی لیبارٹری میں بے یارمددگار چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔اس کے بعد میں آنے والی حکومتیں ان تجربات پر تحقیق کرنے کا جھانسہ دے کر کوئی نئی تھیوری پیش کر دیتی ہے۔سائنسی اصول کے مطابق تو مقناطیس کے ایک جیسے پول ایک دوسرے کو پرے دھکیلتے ہیں جبکہ مخالف پول ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔سیاست میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ کون کسے پرے دھکیلتا ہے اور کب گلے سے لگا لیتا ہے۔کون؟ کب؟ قاتل سے قابل بن جائے،کون کب حزب اختلاف سے اقتدار میں چلا جائے؟ سیاست کا بنیادی اصول ہی یہ ہے کہ اس کا کوئی اصول نہیں ہوتا۔نگران حکومت کا سیٹ اپ مکمل ہو گیا اب کابینہ کے ممبران کا فیصلہ ہونا باقی ہے۔ہماری نگران کابینہ کی تعداد بھی اکثر کسی بڑے جمہوری ملک کی عام کابینہ کے برابر ہوتی ہے۔شاید اس بار تبدیلی کے نعرے کی جو فضاء چل رہی ہے اس میں ہمیں یہ تبدیلی بھی دیکھنے کو ملے کہ نگران کابینہ ملک کی معاشی حالت دیکھ کر ہی بنائی جائے۔انتخابات کی تاریخ کا اعلان ہونے کے بعد تمام سیاسی جماعتیں عوام کی توجہ اور ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے میدان میں اتر چکی ہیں۔مئی میں اقتدار کا کپ کس کپتان کے حصے میں آتا ہے اس کا فیصلہ تو عوام نے ہی کرنا ہے۔اس وقت ہر کپتان اپنے سیاسی کھلاڑیوں کے ہمراہ نیٹ پریکٹس کر رہا ہے۔پریکٹس سے انسان پرفیکٹ بنتا ہے مگر ہمارے سیاسی کھلاڑی خود پریکٹس کرنے کی بجائے مخالفیں اور حریفوں کی کمزوریوں اور خامیوں کو چوکے چھکے لگانے میں زیادہ لطف محسوس کرتے ہیں۔سابقہ صدر جنرل (ر) پرویز مشرف بھی خود ساختہ جلاوطنی کا طوق گلے سے اتار کر وطن عزیز انتخابات میں حصہ لینے پہنچ چکے ہیں۔جلاوطنی کے پنجرے سے خود کو آزاد کرنے کے لیے سابقہ آرمی چیف جو کبھی خود ہاتھ میں چھڑی گھما کر بڑے بڑوں کو گھما دیتے تھے آج وطن واپسی کے لیے پاک دھرتی کے بادشاہ کے آگے اپنی حفاظت کی بھیک مانگنی پڑی۔پاک دھرتی کے شاہ کی جادوئی چھڑی ہلتے ہی ان لوگوں کے ہلتے ہوئے لب سل گئے جو مشرف کے خلاف عدالتی کارروائی کرنے کے نعرے لگا رہے تھے۔پرویز مشرف کمانڈو فورس کے کمانڈر بھی رہے ہیں مگر اس کے باوجود ان کو اپنی جان کی سیکیورٹی کے لیے اندرون و بیرون ملک درخواستی گھنٹی بجانا پڑی۔پرویز مشرف کی جان کے دشمن تو کھلے عام اس کے سر کی

قیمت لگا رہے ہیں۔ان حالات میں پرویز مشرف کا سیکیورٹی مانگنا جائز ہی لگتا ہے مگر ملکی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ سیکیورٹی الرٹ ہونے کے باوجود یہاں کئی سیاسی لیڈروں سمیت ،مذہبی رہنماء،عسکری قیادتیں اور حساس اداروں کے ملازمین سمیت عوام کی جان بھی محفوظ نہ رہ سکی۔گزشتہ دنوں علامہ طاہر القادری نے بھی وطن عزیز پہنچ کر سیکیورٹی کا مطالبہ کیا۔ان کے لیے بلٹ پروف، بم پروف کینٹر کا انتظام کیا گیا جس پر کڑوروں روپے خرچ ہوئے۔محترمہ بینظیر کے لیے بھی کچھ اسی طرح کا انتظام کیا گیا تھا مگر محترمہ کے خون سے کسی کی سنہری قسمت لکھی تھی۔وطن عزیز میں جان کا خطرہ تو سب کو ہی ہے مگر عام انسان کی جان کی قیمت ہی کیا ہے؟اب حالات ایسے ہو چکے ہیں کہ جن اداروں کا کام عوام کو تحفظ فراہم کرنا ہے، دہشت گردی کا سب سے زیادہ حدف بھی وہی بنتے ہیں۔بلاول زرداری، پرویز مشرف ،علامہ طاہر القادری سمیت دیگر بہت سے سیاسی رہنماء ہیں جو وطن عزیز میں سانس تو لینا چاہتے ہیں مگر کھلی فضاء میں نہیں بلکہ کسی بلٹ پروف کنٹینر میں یا کسی بلٹ پروف شیشے کے بکس کے پیچھے.....!انتخابی مہم میں حصہ لینا بھی چاہتے ہیں مگر اپنی جان خطرے میں محسوس بھی کرتے ہیں۔ اس وقت وطن عزیز میں دو ہی جیکٹس مشہور ہیں ایک تو خودکش حملہ آوروں کی جیکٹ دوسری بلٹ پروف جیکٹ.....! ہر دوسرا سیاسی رہنماء حکومت سے اپنی سیکیورٹی کی درخواست کر دیتا ہے تو محدود وسائل اور کمزور معاشی حالات میں ریاست سب کو بلٹ پروف اور بم پروف کنٹینر دینے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ماضی میں یہ تجربہ بھی ہو چکا ہے کہ بلٹ پروف گاڑی کے باوجود محترمہ پر دو دہشت گرد حملے ہوئے پہلا حملہ کارساز میں ہوا تو محترمہ کی جان بچ گئی مگر لیاقت باغ میں بلٹ پروف گاڑی بھی ان کی جان نہ بچا سکی۔اب بلٹ پروف گاڑیوں یا کنٹینرز پر کروڑوں روپیہ خرچنے سے بہتر ہے کہ بلٹ و بم پروف سوٹ ہی پہن لیا جائے۔ دیکھنے میں یہ لباس چاہے ایسا لگے جیسے چاند پر جانے والے لوگ مگر یہ چاند پر جانے والے نہ سہی مگر عوام کو دن میں تارے دکھانے والے ضرور ہیں۔بلٹ و بم پروف سوٹ سستا بھی رہے گا،نقل و حمل کے لیے گاڑی کی بجائے موٹر سائیکل کا استعمال بھی کیا جا سکتا ہے جس سے پٹرول کی بچت بھی ہوگی اگر نزدیک جانا مقصود ہو تو پیدل چل کر ماحولیاتی آلودگی کو قابو کم کرنے کے ساتھ جسمانی ورزش سے تروتازہ بھی رہا جا سکے گا۔ہیلمٹ میں چھپے چہرے سے کسی بھی جگہ کوئی بیان دے کر صاف مکرنا بھی آسان ہوگا اس کے علاوہ کوئی مخالف یا دل جلا پہچان کر جوتا مارنے کی کوشش بھی نہیں کر سکے گا۔اس وقت نگران سیٹ اپ ہے تو بلٹ و بم پروف سوٹ درآمد کرنے میں ممکن ہے کمیشن و کرپشن کا لیول کم ہو۔کراچی پاکستان کا وہ شہر ہے جہاں سے فیشن جنم لیتا ہے پھر باقی ملک میں بھی پھیل جاتا ہے اگر بلٹ و بم پروف سوٹ کے فیشن کا آغاز بھی کراچی سے کیا جائے تو اس فیشن کو سپر ہٹ کروانے کے لیے قائد تحریک کو وطن واپس آ کر بلٹ و بم پروف سوٹ پہن کر اس فیشن کا آغاز کرنا چاہیے۔بلٹ و بم پروف سوٹ درآمد کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اسے امریکہ، جاپان،فرانس یا برطانیہ سے درآمد تو کرنے میں کوئی حرج نہیں مگر پیسے بچانے کی خاطر اگر سوٹ چین سے درآمد کیے گئے تو غیر معیاری ہونے کی صورت میں بلٹ یا بم سے ملاقات ہونے سے پہلے ہی اندرونی سسٹم ناکارہ ہو کر کوئی دم گھٹ کر مر گیا تو کیا ہوگا؟ملکی سیاست اور سیاست دانوں کو بچانے کے لیے بلٹ و بم پروف سوٹ ناگزیز ہوتے جا رہے ہیں۔سائنس کے جدید دور میں سائنس میں سیاست ہو نہ ہو مگر سیاست میں سائنس ضرور نظر آنی چاہیے۔ہمارے سیاسی اکابرین صرف بلٹ پروف میں رہنا ہی پسند نہیں کرتے بلکہ عوام شعور پروف رہے اس کی بھی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔آج تک تو بڑی مکاری اور

ڈھٹائی سے سیاستدان عوام سے بلف کرتے آرہے ہیں۔جس روزعوام "بلف پروف" ہوگئی تو ہمارے روایتی ضمیر پروف سیا ستدانوں کو نیست ونابود کرنے کرنے کے لیے بلٹ نہیں بلکہ بیلٹ ہی کافی ہے۔کیونکہ عوامی ووٹ صرف ایک بیلٹ ہی نہیں بلکہ ایک ایسی تیز برچھی ہے جس سے مفاد پرست کسی بھی بلٹ پروف سوٹ میں ہی کیوں نہ ہوں گھائل ہونے سے نہیں بچ سکتے۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

28-03-2013.